Digitized by Khilafat Library

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے
لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۹ — نومبر ۱۹۲۰ء — نمبر ۱۱

مطابق ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ

چندہ سالانہ

عوام ۲/ طلباء سے ۱/ عہ

فہرست مضامین

ہمارا آقا صلی اللہ علیہ وسلم ۳۵۳ - ۳۶۱

اسلام اور مسیحیت ۳۶۱ - ۳۷۶

یورپ تباہ ہو رہا ہے ۳۷۶ - ۳۸۳

تبلیغی اخبار احمدیہ ۳۸۳ - ۳۸۵

حضرت خلیفۃ المسیح اول شاہی حکیم مولٰنا مولوی نور الدین صاحب رضؓ کی مجرّب ادویات

سرمہ لاثانی کمزوری آنکھ۔ دھند۔ جالا۔ سرخی چشم۔ ضعفِ بصارت۔ آنسوؤں کا جاری رہنا ان امراض کا لاثانی سرمہ۔ قیمت ۶ ماشہ عہ

سرمہ برقی:- کمزوری آنکھ۔ خارش۔ آنکھوں سے پانی کا آنا۔ دھند۔ قیمت ۶ ماشہ عہ

مومیائی:- بدن کی طاقت کے لئے اکسیر۔ تمام قوتوں کا مجموعہ کیسی ہی کمزوری ہو۔ اسکے استعمال سے رفع ہو جاتی ہے۔ قیمت فی تولہ عہ

معجون مسکی:- بدن کی زردی۔ کمی خون۔ دل کا دھڑکنا۔ معدہ کی کمزوری۔ سانس کا پھولنا۔ ان بیماریوں کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت ۴ تولہ عہ

حبّ جانا:- تمام بدن کی کھوئی ہوئی طاقت کا واپس لانا انکا فرض عین ہے۔ کمی خون کو چند یوم میں پورا کر دینا انکا منصب ہے۔ تمام پٹھوں کی کمزوری کیلئے انکے اندر برقی تماشا ہے۔ دماغ کی قوت میں بے مثل ہیں۔ نسیان کو دور کرنا انکے ہاتھ کا کھیل ہے۔ منگواؤ اور فائدہ اٹھاؤ۔ ۴۰ گولیاں ۲عہ

اٹھرا

کیا آپ پیارے بچے چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے سچی ہمدردی اور فائدہ خلق اللہ کے لئے اس نہایت عاقل اور بیدار مغز اور خیر خواہ ہر انسان حکیم الامت مولنا مولوی نور الدین صاحب رضؓ شاہی حکیم کا وہ مجرب المجرب نسخہ پورے طور پر طیار کیا ہے جس سے کئی گھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھرے ہوئے ہیں۔ جو پیارے بچوں سے خالی تھے۔ وہ گھر ہیں جو اسقاط حمل کیوجہ سے یعنی اٹھرا کی بیماری کا نشانہ بن چکے تھے یا جن کی اولاد پیدا ہوتے داغ مفارقت دیکر راہ دار البقاء لیتے تھے یا جنکے حمل قبل از وقت ضائع ہو جایا کرتے تھے۔ یا مردہ پیدا ہوتے تھے والدین کے کلیجے صدمے سہتے سہتے مایوس اور ناامید ہو چکے تھے۔ محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ان تریاقی گولیوں کے استعمال سے کئی گھر بامراد ہوگئے اور ہو رہے ہیں۔ آپ بھی خدا پر بھروسہ رکھیں اور اکسیر جنین کا استعمال کرائیں اور پیارے بچوں کی میٹھی میٹھی باتیں سنکر خدا کا شکر کریں۔ انکے فوائد کے لحاظ سے قیمت بہت کم ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اٹھائے۔ قیمت فی تولہ عہ

ملنے کا پتہ:- **ناظم جان عبد الرحمٰن کاغانی قادیان۔ ضلع گورداسپور**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہمارا آقا صلے اللہ علیہ وسلم

(گذشتہ سے پیوستہ)

واقعہ بئر معونہ صفر ۴ سنہ ہجری

جن ایام میں واقعہ رجیع پیش آیا انہی ایام میں ایک اسی قسم کا مگر نتائج کے لحاظ سے اس سے بہت بڑا ایک اور واقعہ پیش آیا اور ان دو نو حادثات کی اطلاع آنحضرت صلعم کو قریباً قریباً ایک ہی وقت میں پہنچی +

قبائل سُلیم و غطفان کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ یہ قبائل نجد کی سطح مرتفع پر آباد تھے اور قریش مکہ کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے اور ہر وقت اسلام کے خلاف فتنہ انگیزی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان ایام میں جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں ایک شخص **ابو براء** عامری جو قبیلہ بنو عامر سے تعلق رکھتا تھا بنو جعفر اور بنو بکر کے چند آدمیوں کے ہمراہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور چند چیزیں بطور تحفہ پیش کیں۔ وقت ہوتا ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا میں ایک مشرک کا تحفہ نہیں قبول کرتا۔ پھر آنحضرت صلعم نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے آپ کی تقریر کو توجہ اور شوق سے سُنا

مگر اسلام نہیں لایا۔ اور عرض کیا "اے محمدؐ تمہارا کلام میں نے سُنا ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں لیکن میرے پیچھے میری قوم ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چند آدمی روانہ کر دیں میں امید کرتا ہوں کہ میری قوم اس دعوت کو قبول کریگی۔" آپ نے فرمایا "مجھے اہل نجد کی طرف سے خدشہ ہے"۔
ابو براء نے جواب دیا "میں ان کا ذمہ وار ہوں۔ آپ بے شک میرے ساتھ آدمی روانہ فرما دیں"۔ اِسپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ستر صحابہ روانہ فرمائے۔ اور ان کا امیر منذر بن عمروؓ کو مقرر فرمایا۔ یہ تمام لوگ قرآن خوان اور تہجد گذار تھے۔ اور اکثر انصار اور بعض اصحاب صفہ میں سے تھے۔
جب یہ صحابہ اس مقام پر پہنچے۔ جو بوجہ ایک کنوئیں کے جو اس میں تھا بئر معونہ کے نام سے مشہور تھا۔ تو انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص کے ہاتھ عامر بن طفیل کلابی عامری کے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خط روانہ کیا۔ یہ عامر۔ ابو براء مذکور کا نہایت قریبی رشتہ دار تھا اور اسلام سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ اور اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ جب مسلمانوں کا ایلچی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خط لیکر اس کے پاس پہنچا۔ تو اس نے خط لینے سے انکار کیا۔ اور اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ بلکہ اس غریب اور بے گناہ ایلچی کو خلاف قواعد مروّجہ معروفہ قتل کروا دیا۔ اور پھر قبیلہ عامر کو کہا کہ مسلمانوں کی جماعت پر حملہ کر دیں۔ مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم ابو برائے کے عہد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرینگے۔ ادھر سے مایوس ہو کر عامر نے قبیلہ سُلیم میں سے قبائل رِعل اور ذکوان اور عُصَیّہ وغیرہ کو تحریک کی۔ وہ ایسے کاموں کے لئے ہر وقت تیار بلکہ خواہشمند رہتے تھے۔ چنانچہ فوراً جمع ہو گئے اور مسلمانوں کی قلیل جماعت کو آکر گھیر لیا۔ مسلمانوں نے حتی الوسع مقابلہ کیا۔ مگر سب شہید ہوئے سوائے کعب بن زید انصاری کے جن میں کچھ جان باقی تھی

مگر کفار نے ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا چنانچہ یہ بچ گئے مگر کچھ عرصہ بعد غزوہ خندق میں شہید ہوئے ۔

صحابہؓ کی جماعت میں سے دو شخص عمرو بن امیہ ضمری اور منذر بن محمد بن عقبہ اس وقت کسی حاجت کے لئے جماعت سے الگ ہو کر اِدھر اُدھر گئے ہوئے تھے انہوں نے اپنی قیام گاہ کی طرف نظر کی تو اس کے اوپر پرندوں کے جھنڈ ہوا میں اِدھر اُدھر اُڑتے ہوئے دیکھے ۔ عرب لوگ ان باتوں کے اشارے خوب سمجھتے تھے فوراً تاڑ گئے کہ کوئی بات ہے ۔ واپس آئے تو کشت و خون کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آیا ۔ اس پر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے ۔ ایک نے کہا کہ ہمیں یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیئے اور فوراً جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس حالت سے اطلاع دینی چاہیئے ۔ مگر دوسرے نے اس رائے کو قبول نہ کیا اور کہا میں تو اُس جگہ سے بھاگ کر نہیں جاتا جہاں ہمارا امیر منذر بن عمرو شہید ہوا چنانچہ وہ لڑا اور شہید ہوا ۔ دوسرے یعنی عمرو بن امیہ ضمری کو کفار نے پکڑ کر قید کر لیا اور غالباً اسے بھی قتل کر ڈالتے مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ قبیلہ مضر سے ہے تو عمرو بن طفیل نے اس کے ماتھے کے بال کاٹ کر اسے رہا کر دیا اور کہا " میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی مَنت مانی ہوئی ہے جا میں تجھے اس کے بدلے میں چھوڑتا ہوں ۔" گویا اس طرح ستّر صحابہؓ میں سے صرف دو شخص سلامت بچے ۔ ایک یہی عمرو بن امیہ ضمری اور دوسرے کعب بن زید جسے کفار نے مُردہ جان کر چھوڑ دیا تھا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ رجیع اور واقعہ بئر معونہ کی اطلاع قریباً ایک ہی وقت میں پہنچی ۔ اور آپ کو اس کا اتنا صدمہ ہوا کہ ایسا نہ کبھی اس سے پہلے ہوا تھا اور نہ بعد میں ہوا احادیث میں روایت آتی ہے کہ آپ نے اس خبر کے بعد متواتر ایک ماہ تک قبائل رِعل ۔ ذکوان ۔ عُصَیَّہ اور لحیان

وغیرہ کے خلاف نماز فجر میں بددعا کی ؛

واقعات رجیع اور بئر معونہ سے قبائل عرب کے اس بغض اور کینہ کا پتہ چلتا ہے جو وہ اسلام کے خلاف رکھتے تھے حتیٰ کہ اسلام کے خلاف ان کو ملک کے مروّجہ اور معروفہ قواعد و ضوابط اور قومی اخلاق کا بھی کوئی پاس نہ تھا اور ہر جائز و ناجائز طریق اسلام کے خلاف ان کی نظر میں جائز ہو جاتا تھا چنانچہ ایلچی اور پیغامبر کا قتل کرنا عرب کے قومی اخلاق کے کوڈ میں سخت ممنوع تھا مگر اسلام کے خلاف اس کو بھی روا رکھا گیا۔ پھر اسلام کے خلاف ان کے دغا فریب اور جھوٹ کی تو کوئی حد ہی نہ تھی اور مسلمان باوجود اپنی کمال ہوشیاری اور بیدار مغزی کے بعض اوقات اپنی مومنانہ سادگی میں ان کے دام میں آجاتے تھے چنانچہ رجیع اور بئر معونہ ہر دو مواقع پر مسلمان ان ظالموں کے دغا فریب ہی کا شکار ہوئے۔ اسّی کے قریب بے گناہ مسلمانوں کو دوستی کے دام میں پھنسا کر ذلیل ترین دشمنی کے ساتھ تہ تیغ کیا گیا۔ قرآن خوان تہجّد گذار مسجد کے ایک کونے میں پڑے رہ کر اللہ کا ذکر کرنے والے اور اسلامی حدود و جوانب کے اندر اندر گویا ایک قسم کے تارک دنیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ان ظالموں نے دین سیکھنے کے بہانہ سے اپنے وطن میں بلایا اور پھر جب مہمان کی حیثیت میں وہ ان کے گھر پہنچے تو ان سب کو نہایت بے دردانہ ظلم کے ساتھ قتل کر دیا۔ کیا ایسی مثالوں کے ہوتے ہوئے کوئی انصاف پسند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ان جنگوں میں مسلمان حق پر نہ تھے اور یہ کہ انہوں نے مجبور ہو کر نہیں بلکہ محض جبر اور تعدی کے طور پر کفار کے خلاف تلوار اٹھائی تھی؟

مدینہ میں جب ان حادثات کی خبر پہنچی تو گویا ایک ماتم برپا ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو سخت قلق ہوا۔ یہ غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو جلد ہی ان شہداء کے متعلق وحی ہوئی کہ بلّغوا قومنا عنّا انا

لقينا ربنا فرضى عنا وارضانا۔ "ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ خبر پہنچادی جاوے کہ ہم اپنے ربّ سے ملے پس وہ ہم پر راضی ہوا اور ہم کو راضی کیا۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بئر معونہ کی خبر پہنچنے پر فرمایا:۔
"یہ ابو براء کے کام کا نتیجہ ہے۔ اور مَیں تو پہلے سے ہی خائف تھا اور اس جماعت کے روانہ کرنے کو دل سے پسند نہیں کرتا تھا۔"

غزوہ بنو نضیر ربیع الاوّل ۴ھ سنہ ۴ ع

جب کسی قوم کی بدبختی کے دن آتے ہیں تو پھر اس کی بینائی کم ہو جاتی ہے اور واقعات و حادثات سے سبق اور عبرت حاصل کرنے کی طرف وہ توجہ نہیں کرتی۔ چنانچہ بنو قینقاع کے جلاوطن کیئے جانے پر بجائے اس کے کہ یہودِ مدینہ کے باقی ماندہ دو قبائل عبرت حاصل کرتے اور اپنی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے باز آجاتے اور مسلمانوں کو امن کے ساتھ رہنے دیتے اور خود بھی امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے انہوں نے اپنا رویّہ نہ بدلا اور اندر ہی اندر فتنہ کے شرارے پیدا کرتے رہے اور قریش کے ساتھ بھی ساز باز ان لوگوں نے جاری رکھی۔ چنانچہ غزوہ بنو نضیر کا باعث بیان کرتے ہوئے بعض ارباب سِیَر یہ وجہ لکھتے ہیں:۔

"بنو نضیر قریش کے ساتھ ساز باز رکھتے تھے اور ان کو آنحضرت صلعم کے ساتھ جنگ کرنے پر برانگیختہ کرتے رہتے تھے اور مدینہ میں مسلمانوں کے کمزور مواقع سے قریش کو اطلاع دیتے رہتے تھے۔" (موسیٰ بن عقبہ بروایت زرقانی)

اور امام زہری نے یہ بیان کیا ہے کہ اس ساز باز کے نتیجہ میں آخر کار بنو نضیر نے یہ فیصلہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب کے ساتھ قتل کردیں۔ چنانچہ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے آپکے پاس کہلا بھیجا کہ آپ اپنے تین ساتھیوں

کے ساتھ تشریف لادیں اور اِدھر سے ہمارے تین علماء آئینگے اور پھر باہم تبادلہ خیالات ہو۔ اگر ہمارے علماء مان گئے تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئینگے"۔ لیکن اندر اندر انہوں نے یہ تیاری کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیا جاوے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر کی ایک عورت کی خفیہ خبر رسانی سے ان کی شرارت کا پتہ چل گیا اور آپ تشریف نہ لیگئے۔ بلکہ بجائے اس کے آپ نے مدینہ سے نکلکر (بنو نضیر مدینہ کے پاس دو اڑھائی میل پر آباد تھے) ایک طرف تو بنو نضیر کا جو مضبوط قلعوں میں آباد تھے محاصرہ کرلیا اور دوسری طرف بنو قریظہ کے ساتھ پھر از سر نو ایک امن وامان کا معاہدہ کرلیا اور اس کے بعد بنو نضیر سے بھی تحریک کی کہ وہ بھی بنو قریظہ کی طرح آپ سے امن امان کا معاہدہ کرلیں لیکن انہوں نے انکار کیا ؛

یہ وہ وجہ ہے جو غزوہ بنو نضیر کی موسیٰ بن عقبہ اور زُہری کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ اور زہری کے نزدیک غزوہ بنو نضیر بدر کے بعد مگر احد اور بئر معونہ سے پہلے وقوع میں آیا تھا ؛

لیکن عام مورخین باتباع ابن اسحاق غزوہ بنو نضیر کو واقعہ بئر معونہ سے بعد رکھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں :۔

عمرو رضؓ بن امیہ ضمری جن کو بئر معونہ کے موقعہ پر کفار نے چھوڑ دیا تھا جب واپس مدینہ آرہے تھے تو ان کو راستہ میں قبیلہ عامر کے دو آدمی ملے جو مدینہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرکے واپس اپنے وطن جارہے تھے۔ چونکہ عمرو رضؓ بن امیہ کو ان کے اس جدید عہد وپیمان کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے موقع پاکر ان دو نو شخصوں کو شہداء بئر معونہ کے بدلے میں قتل کردیا۔ جب یہ مدینہ پہنچے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سارا ماجرا سُنایا۔ آپ کو جب ان دو شخصوں کے قتل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے عمرو رضؓ کے اس فعل پر

سخت اظہارِ ناراضگی فرمایا اور مقتولین کے قبیلہ کو ان کا خون بہا بھجوا دیا۔ لیکن چونکہ قبیلہ عامر کے لوگ بنو نضیر کے حلیف تھے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور بنو نضیر کے ابتدائی معاہدہ کی رو سے ان مقتولین کے خون بہا کا بار بحصہ رسدی بنو نضیر پر بھی پڑتا تھا چنانچہ آپ مع چند اصحاب بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے خون بہا کا حصہ مانگا۔ انہوں نے بظاہر آپ کی بڑی آؤبھگت کی اور کہا کہ "ابو القاسم آپ تشریف رکھیں ہم ابھی روپیہ ادا کیئے دیتے ہیں"۔ چنانچہ آپؐ مع اپنے اصحابؓ کے ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اور بنو نضیر باہم مشورہ کے لئے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ لیکن بنو نضیر نے بجائے روپے کا انتظام کرنے کے یہ سازش کی کہ کوئی شخص دوسری طرف سے اس مکان پر چڑھ جاوے جس کی دیوار کے سایہ میں آپ تشریف رکھتے تھے اور اوپر سے ایک بڑا پتھر آپؐ کے سر پر گرا کر آپؐ کو قتل کر دے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس شرارت کا علم ہو گیا لہٰذا آپؐ وہاں سے اس طرح اُٹھے گویا کسی ضرورت کے لئے جاتے ہیں اور سیدھے مدینہ تشریف لے آئے۔ صحابہؓ نے کافی دیر تک آپؐ کا انتظار کیا مگر جب آپؐ واپس تشریف نہ لائے تو پھر وہ بھی آپؐ کی تلاش میں اُٹھکر واپس مدینہ آ گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کر کے بنو نضیر کی شرارت سے ان کو اطلاع دی اور پھر قبیلہ اوس کے ایک رئیس محمدؓ بن مسلمہ کو بلا کر فرمایا کہ "تم بنو نضیر کے پاس جاؤ اور ان سے اس معاملہ میں بات کرو اور ان سے کہو کہ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں"۔ محمد بن مسلمہ جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے سخت تمرّد سے کام لیا اور کہا کہ "محمدؐ کو کہہ دو کہ ہم نہیں جاتے جو کرنا ہو کر لے"۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین نے بھی یہود کو کہلا بھیجا کہ "مدینہ سے ہرگز نہ نکلنا اگر لڑنا پڑیگا تو بنو قریظہ کے علاوہ ہم بھی تمہارا ساتھ دینگے"۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب بنو نضیر

کے اس جواب کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے فرمایا "اللہ اکبر! یہود تو جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں"

اس کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا اور مدینہ پر عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو امام نماز مقرر فرما کے مدینہ سے نکلے لیکن بنو نضیر کی توقع کے خلاف۔ بنو قریظہ نے اس موقع پر بنو نضیر کا ساتھ نہیں دیا بلکہ الگ رہے اور منافقین مدینہ کو بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ علانیہ مسلمانوں کے خلاف میدان میں نکل سکیں لہٰذا بنو نضیر کو اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہونا پڑا اور ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن چونکہ ان کے قلعے نہایت مضبوط تھے اس لئے ان کو اطمینان تھا کہ مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے اور اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے حالات کے ماتحت ایسے قلعوں کو فتح کرنا واقعی نہایت مشکل تھا چنانچہ کئی دن تک مسلمان برابر محاصرہ کیئے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بنو نضیر کے کھجوروں کے باغات کے بعض درخت جو باہر میدانوں میں واقع تھے کاٹ دیئے جاویں چنانچہ بعض درخت کاٹ کر گرا دیئے گئے۔ آخر پندرہ ایام کے محاصرہ کے بعد بنو نضیر نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ مدینہ سے چلے جاویں اور اپنا جتنا اسباب اپنے ساتھ لیجا سکیں ساتھ لیجائیں چنانچہ بڑے جشن اور سرو سامان کے ساتھ یہ لوگ مدینہ سے کوچ کر گئے اور ان کی جائدادیں اور سامانِ حرب مسلمانوں کے ہاتھ آیا"

جب یہ کوچ کر رہے تھے تو انصار نے اُن لوگوں کو اِن کے ساتھ جانے سے روکا جو انصار کی اولاد سے تھے مگر انصار کی منّت ماننے کے نتیجہ میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے یہودی ہو چکے تھے اور بنو نضیر ان کو اپنے ساتھ لیجانا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ انصار کا یہ مطالبہ قرآن شریف کی آیت لا اکراہ فی الدین یعنی "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں" کے منافی تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے

اسے پسند نہیں کیا ۔

بنو نضیر جب مدینہ سے گئے تو پھر عرب میں نہیں ٹھیرے بلکہ شام کی طرف نکل گئے سوائے ان کے چند رؤساء مثلاً سلام بن ابی الحقیق ۔ کنانہ بن الربیع اور حیئے بن اخطب وغیرہ کے جنہوں نے مدینہ سے نکلکر خیبر جا ڈیرا لگایا اور بعد میں جنگ خیبر کا باعث ہوئے ۔

غزوہ بنو نضیر کا واقعہ قرآن شریف کی سورہ حشر میں کھولکر بیان کیا گیا ہے جو ساری کی ساری اسی غزوہ کے متعلق ہے ۔ اس غزوہ کے نتیجہ میں جو غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی وہ چونکہ کسی جنگ اور لڑائی کے نتیجہ میں نہیں ملی تھی اس لئے عام غنیمت کی طرح وہ فوج کے اندر تقسیم نہیں ہوئی بلکہ سب کی سب براہ راست آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتظام اور تصرّف میں اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ میں رہی ۔ (باقی آیندہ انشاء اللہ)

اسلام اور مسیحیّت

(چودھری ابوالہاشم خاں صاحب ایم ۔ اے)

مسیحیّت کے مشہور میگزین "مسلم ورلڈ" کے جولائی سنہ ۱۹۲۰ء نمبر میں مسٹر ردم جو وسطِ افریقہ کی بائیبل سوسائٹی کے سکرٹری ہیں ۔ وسطِ افریقہ کی اقوام اور قبائل کی حالت کا جو اشاعت اسلام کی صف اوّلین کے مقابلہ میں ان کی ہے لکھتے ہیں :۔

"اسلام غیر الہامی مذاہب اور مسیحیت ہر دو کے لئے بطور ایک چیلنج کے ہے ۔ تمام محققین کی یہ متفقہ رائے ہے ۔ جو انہوں نے اشاعت اسلام کا معائنہ اور

مشاہدہ کرنے کے بعد قائم کی ہے کہ اسلام اس روحانیّت سے بالکل عاری ہے جو لوگوں کے قلوب پر قابو پا سکتی اور ان کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے یا ان کو وہ غذا پہنچا سکتی ہے جس کی ان کو ضرورت ہے۔ گویا اشاعت اسلام مذہب نہیں بلکہ مذہب کے نام اور اس کی آڑ میں صرف ایک متعصّبانہ تمدنی اور سیاسی طاقت ہے۔ اسلام کا اثر بُت پرست اقوام پر جب پڑتا ہے تو ان کے گناہوں اور بدیوں کو زیادہ کر دیتا ہے اور ان کے ڈر اور خوف کو کم نہیں کرتا۔ اسلام ان کو خطرناک بدیوں اور وہم پرستیوں کا راہ دکھاتا ہے مگر ان سے بچنے کی کوئی طاقت ان کو نہیں بخشتا۔ اسلام ایک جھوٹے اور نمائشی رُعب سے ان کی امیدوں کو بلند کر دیتا ہے اور خدا کے متعلق ان کو عملاً غلط اور باطل عقیدہ پر قائم کر دیتا ہے۔ اور یہ بات مسیحی مشنری کے کام کو جو نجات دلانے والی محبّت کا پیغام اپنے ساتھ لاتا ہے خاک میں ملا دیتی ہے۔"

مسٹر روم کی اس رائے سے بڑھکر کینہ آمیز اور تعصّب کی رائے شائد ہی کسی نے کبھی کسی مذہب کے متعلق ظاہر کی ہو۔ اگر کبھی مسیحی اقوام کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہوئی ہے تو یہ مسیحیّت کی فتح نہیں کہلا سکتی کیونکہ جیسا کہ کسی پر پوشیدہ نہیں اب عیسائی کہلانیوالی اقوام مسیحیّت کو عملاً بالکل ترک کر چکی ہیں اور صرف برائے نام مسیحیّت کی طرف منسوب ہوتی ہیں حتیّٰ کہ انگلستان کے ہوئس آف لارڈز کے متعلق بھی اس بات کا علی الاعلان اظہار کیا گیا ہے کہ "اب تک جو مسیحی دنیا کی اخلاقی اور مذہبی حالت رہی ہے انھوں نے اس سے بہت اعلیٰ اخلاقی اور مذہبی طریق دریافت کر لیا ہے۔"

پس مسیحی مشنریوں کو اپنی سیاسی فتوحات کے خمار میں آ کر عقل و دانش اور تہذیب و شائستگی کو خیر باد نہیں کہہ دینا چاہیئے۔ اگر مسلمانوں میں بُرے لوگ پائے جاتے ہیں تو کیا مسیحی اقوام میں بُرے لوگ نہیں پائے جاتے۔

پس یہ طریق غلط ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی حالت سے ان کے مذہب کا موازنہ کیا جاوے۔ بلکہ مذہبی بحث کی بنیاد اصول مذہب پر ہونی چاہیئے اور اس کے بعد اس کے بہترین حالات میں اس کے پیروان کے اعمال پر۔ لہٰذا ہم ذیل میں اسلام اور عیسائیت کے اصول پر مختصراً ایک نظر ڈالتے ہیں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ ان میں سے کون سا مذہب حقیقی طور پر نجات و فلاح کی راہ پیش کرتا ہے ؂

منتہیٰ

تمام انسانی کاموں میں منتہیٰ Ideal ایک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے تمام انسانی ترقیوں کے درجہ کمال کا موازنہ ہوتا ہے اگر منتہیٰ چھوٹا اور حقیر ہے تو اسی نسبت سے اس حلقہ میں انسانی ترقی کا مرتبہ محدود ہو جائیگا اور اگر منتہیٰ بلند ہے تو اس حلقہ میں کمالات بھی اسی نسبت سے بلند ہو جائینگے۔ ایک اور بات ضروری ہے کہ منتہیٰ وضاحت کے ساتھ بیان شدہ ہو اور بآسانی سمجھ آسکے۔ اگر منتہیٰ واضح نہیں ہے اور بآسانی سمجھ نہیں آتا تو اس کے ماتحت ترقی بھی گویا غیر کامل اور ناقص ہو گی۔ اور اگر منتہیٰ واضح اور بآسانی سمجھ آجانے والا ہے تو اس کے ماتحت کمالات بھی واضح اور بلند ہو جائینگے۔ ایک تیسری بات بھی ہے اور وہ یہ کہ منتہیٰ فطرت انسانی کے عین مطابق ہو تا وہ لوگوں میں اپنے حصول کی طبعی طور پر تحریک کرتا رہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر وہ ایک بنجر اراضی کی طرح ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتی ؂

اسلام اور مسیحیت کا منتہیٰ مذہباً بظاہر ایک ہی نظر آتا ہے۔

مسیحی مذہب کا منتہیٰ یہ ہے:-

"تم بھی اسی طرح کامل بنو جس طرح باپ جو آسمان پر ہے کامل ہے"

اسلام کا منتہیٰ قرآن شریف کی ابتدائی آیات سے ہی مستنبط ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝

ترجمہ "سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو بن مانگے دینے والا اور کاموں کا اعلیٰ سے اعلیٰ معاوضہ دینے والا ہے۔ جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ اے ہمارے مولا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"

لیکن ان دونو منتہاؤں میں جو مشابہت ہے وہ بس یہیں تک ہے۔ وہ خدا جو کہ مسیحی مذہب پیش کرتا ہے اس کامل اور عظیم الشان خدا کے مقابلہ میں جو اسلام پیش کرتا ہے ایک کمزور پنجر سے بڑھکر نہیں ہے۔ یہ بات ایک ناواقف شخص کے خیال میں ممکن ہے قابل تعجب معلوم ہو مگر وہ شخص جس نے قرآن شریف اور انجیل کا مطالعہ کیا ہے ہمارے اس ریمارک کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انجیل میں ہستی باری تعالیٰ کے ذکر کے واسطے چند عام غیر معیّن اور وہ بھی نہایت مختصر ریمارک استعمال کیئے گئے ہیں جو کہ پڑھنے والے کے قلب پر کوئی گہرا اثر نہیں ڈال سکتے لیکن قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ کا ذکر کتاب کے اوّل سے لیکر آخر تک تمام مضمون کی روح رواں ہے۔ ہر صفحہ پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کی صفات کا بیان موجود ہے۔ اور اس کی صفات کا اس کے کاموں میں جو عملی نقشہ پایا جاتا ہے اس کی تفسیر ہے اور مخلوق کے ساتھ اس کے تعلّقات کے مضمون پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

گویا اسلامی تعلیم اور مسیحیت کی تعلیم کا پہلا بڑا امتیاز ان تصویروں میں ہے

جو یہ دو کتابیں خدا کی پیش کرتی ہیں۔ انجیل کی تصویر غیر مکمّل اور غیر واضح ہے اور اس کے مقابلہ میں قرآن کی پیش کردہ تصویر مکمّل مفصّل اور نہایت واضح ہے ؏

دراصل مسیحیت کے منتہیٰ کا اصل اور بڑا نقص اس کا غیر واضح ہونا ہے۔ انجیل بے شک خدا کو 'باپ' 'نیک' اور 'کامل' کے الفاظ سے یاد کرتی ہے۔ لیکن اوّل تو خدائی صفات کی تفصیل نہیں پیش کرتی اور اگر کبھی کرتی ہے تو اسے مثالوں اور خدائی معاملات اور کاموں کی عملی روشنی میں واضح نہیں کرتی۔ پھر جو کبھی کوئی مثالیں انجیل پیش کرتی ہے وہ حیرت انگیز طور پر کم ہیں۔ گویا تصویر کے واضح کرنے کے لئے جن دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ دونو انجیل میں مفقود ہیں یعنی اوّل رنگ و نقش کی گہرائی اور دوسرے اس کا تکرار یعنی بار بار ایک بات کو مختلف حالات اور مختلف صورتوں میں پیش کرنا ؏

اس کے مقابلہ میں قرآن شریف نے ان ہر دو باتوں کا پورا پورا استعمال کیا ہے۔ قرآن شریف اللہ کی صفات کی پوری پوری تفصیل دیتا ہے اور پھر ہر تفصیل کو نیچر یعنی خدا کے افعال سے مثالیں بیان کرکے واضح کرتا اور بار بار مختلف پیرایہ میں اُسے دُہراتا ہے حتّٰی کہ تصویر ہر پڑھنے یا سُننے والے کے لئے واضح ہو جاتی اور اس کے قلب پر جم جاتی ہے۔ غرض جہاں انجیل اپنا منتہیٰ غیر مکمّل اور غیر مفصّل اور غیر واضح طور پر پیش کرتی ہے جو عملی زندگی میں انسان کے کام نہیں آسکتا قرآن شریف اپنے منتہیٰ کو مکمل مفصّل اور واضح طور پر پیش کرکے اسے انسان کی عملی زندگی کے لئے ایک حقیقی

رہنما بنا دیتا ہے۔

تیسرا نقص جو مسیحی مذہب کے (Ideal) یعنی منتہیٰ میں ہے وہ اس کا غیر طبعی ہونا ہے۔ انجیل کا خدا ایک ایسی ہستی ہے جس کا سمجھنا انسانی دماغ کے واسطے محال ہے اور اس لئے انسانی طبیعت اسے ایک محض بوجھ سمجھتی ہے۔ ایک سے زیادہ ہر طرح سے کامل ہستیوں کا وجود عقل انسانی کے بالکل خلاف ہے۔ پھر اُلوہیت مسیح ایک عجیب ہی عقیدہ ہے اور کفارہ کا مسئلہ اخلاق کے میدان میں ایک خطرناک ٹھوکر۔ علاوہ ازیں انجیل کا پیش کردہ خدا قدرت و طاقت بلکہ تمام مردانہ صفات سے عاری ہے۔ ایسی ہستی کے واسطے ہمارے دل میں رحم کا جذبہ تو پیدا ہو سکتا ہے لیکن محبت ایک موہوم خیال ہے۔ انجیلی خدا ہرگز انسانی قلب کے اندر کام کا کوئی جوش و حرکت نہیں پیدا کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی مسیحی دنیا میں لوگوں کو جوش دلانے اور ان کے اندر کوئی حرکت پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے تو نئے عہد نامہ کو چھوڑ کر پُرانے عہد نامہ کی طرف رُخ کرنا پڑا ہے۔ جنگجو مسیحی اقوام کا نعرہ ”ربّ الافواج“ تو ہو سکتا ہے لیکن ’امن کا شہزادہ‘ کا لفظ تو ان کے مُنہ پر آتے ہی ان کے سارے خون کو ٹھنڈا کر دیگا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پُرانے عہد نامہ کی تصویر موجودہ صورت میں نہایت بگڑی ہوئی ہے اور اس بات کو مسیحی لوگ بھی عملاً قبول کرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ جو تصویر کہ انسانی فطرت کے مختلف شعبوں میں تحریک نہیں پیدا کر سکتی وہ انسانی طاقتوں کے پورے نشوونما اور ان سب کو پوری طرح کام میں لانے کے بالکل قابل نہیں اور یہی مسیحی تعلیم کا حال ہے۔ بمقابلہ اس کے قرآن کی

پیش کردہ تصویر بالکل طبعی ہے اور انسان کی تمام طاقتوں کو ہر طرح بر موقع مناسب اپیل کرسکنے کے قابل ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں زندگی کی روح پیدا کرسکتی ہے *

نمونہ

منتہیٰ کے علاوہ ایک اور چیز ضروری ہے جس کے بغیر ہدایت ناقص رہتی ہے اور وہ **نمونہ** ہے۔ نمونہ کے بغیر تعلیم بالکل ناقص رہتی ہے اور پوری طرح ہدایت کا کام نہیں دے سکتی۔ جب تک تعلیم کا کوئی کامل نمونہ انسانی صورت میں لوگوں کے سامنے موجود نہ ہو اس وقت تک وہ اس پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہوسکتے۔ مسیح نے کہا "میرے پیچھے پیچھے چلو" اور یہی نبی اسلام آنحضرت صلعم نے فرمایا ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ "اگر تم خدا سے محبّت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ پھر خدا بھی تم سے محبت کرنے لگیگا"۔ دوسرے موقعہ پر خدا فرماتا ہے:۔ لقد کان لکم فی رسول اسوۃ حسنۃ۔ "تحقیق رسول اللہ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود ہے"۔

لیکن مسیحی اور اسلامی نمونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مسیحی نمونہ مسیح ہے جو مسیحی عقیدہ کے مطابق "ابن اللہ" یعنی خدا کا ہمسر ہے اور خدا کی طرح کامل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے ایسا نمونہ بالکل بے فائدہ ہے۔ ان کو نمونہ کے واسطے ایسے وجود کی ضرورت نہیں جو ان کی جنس سے نہ ہو اور جیسا کہ وہ کبھی بھی نہ بن سکتے ہوں خواہ کتنی ترقی کر جائیں کیونکہ انسان خدا نہیں بن سکتا پس بنی نوع انسان کے لئے نمونہ کے طور پر خدا کو پیش کرنا ایک بیہودہ بات ہے ان کو تو ایسے نمونہ

کی ضرورت ہے جو ان کی جنس سے ہو اور پھر اپنے کمال کی وجہ سے ان کے لئے خدائی تعلیم کا بہترین نمونہ ہو - اور ایسا نمونہ اسلام میں ملتا ہے - اسلام نمونہ خدا یا خدا کا بیٹا نہیں پیش کرتا بلکہ ایک انسان کامل پیش کرتا ہے - جو ہماری جنس سے ہے اور بلحاظ انسان ہونے کے اسے ہم پر کوئی فوقیّت حاصل نہیں ما انا الا بشر مثلکم - ہاں وہ انسان کامل ہے یعنی انسان رہکر جو جو کمالات کوئی بشر حاصل کر سکتا ہے وہ اس نے حاصل کر لئے ہیں پس وہ ہمارے لئے حقیقی نمونہ بن سکتا ہے - کیونکہ ہم اسکے قدم بقدم چل سکتے ہیں اور ہمارے اندر یہ طاقت موجود ہے کہ ہم اس کے پیچھے پیچھے چلکر اسکے کمالات کو حاصل کر لیں - مگر مسیحیّت میں یہ حال نہیں - مسیح اپنی خوبی اور اپنے کمالات سے نمونہ نہیں بنا بلکہ اپنی خلقت سے نمونہ بنا کیونکہ وہ ابن اللہ تھا - پس ہم مسیحی لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ ان دونو نمونوں میں سے کون سا نمونہ نمونہ کہلا سکتا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے عملی نمونہ کا کام دے سکتا ہے؟ -

پھر ایک اور بات ہے کہ باوجودیکہ مسیحی نمونہ ابن اللہ ہے وہ کمالات میں اسلامی نمونہ سے نیچے ہے اور نہ ہی وہ ایسا واضح ہے - اوّل تو مسیح کی زندگی کے حالات ہم کو بہت ہی کم معلوم ہیں - ہم نے مسیح کو غربت اور مصیبت کی حالت میں تو دیکھا ہے مگر امارت و طاقت کی حالت میں نہیں دیکھا - کیا امارت و طاقت کی حالت کے ساتھ کوئی اخلاق وابستہ نہیں جن میں بنی نوع انسان کوئی نمونہ چاہتی ہے؟ ہم نے مسیح کو رعایا کے طور پر تو دیکھا ہے مگر بادشاہ کے طور پر نہیں دیکھا - کیا بادشاہت کی حالت سے کوئی اخلاق متعلق نہیں جن کے سیکھنے کی انسان کو ضرورت ہے؟ کیا بادشاہ ہونے کے فرائض رعایا ہونے کے فرائض سے زیادہ

مشکل و سخت نہیں؟ - پھر کیا مسیح کی عملی زندگی سے ہم کو یہ سبق مل سکتا ہے کہ بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں سے کیسا سلوک کرنا چاہیئے؟ کیا مسیح کی زندگی ہمارے واسطے اس میدان میں کوئی نمونہ پیش کر سکتی ہے کہ حالت جنگ یا صلح میں مخالف اقوام کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہیئے؟ - اس بات پر دھوکا خوردہ مت ہو کہ چند غیر معین اخلاقی نصائح تمہاری زندگی کے تمام شعبوں کی ہدایت کے واسطے کافی نہیں - تم کو ایک عملی نمونہ کی ضرورت ہے اور ہر میدان میں ضرورت ہے - لیکن تمہارا پیش کردہ نمونہ بالکل غیر کامل ہے ؛

علاوہ ازیں تمہارا نمونہ واضح بھی نہیں - کیونکہ مسیح کے حالات زندگی پر تاریخ کی طرف سے کافی روشنی نہیں پڑتی کہ اسے واضح کر سکے - مسیح کی زندگی مندرجہ اناجیل موجودہ کو مختلف مسیحی عقائد کی بنیاد کے واسطے تو آپ بے شک کھینچ تان کر قابل بنا لیں مگر تاریخی شہادت کا ہونا اور معنی رکھتا ہے ؛

اس کے مقابلہ میں اسلامی نمونہ کی زندگی تاریخ عالم کا ایک درخشندہ صفحہ ہے - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام شعبوں کی پوری پوری واضح تصویر ہمارے سامنے موجود ہے اور یہ بات ہم کو وہمی اور کمزور مذہبی روایات کی بنیاد پر میسر نہیں بلکہ آپ کی زندگی کے حالات و واقعات کے علم کی بنیاد تاریخ کی مضبوط چٹان پر ہے - آپؐ کے بچپن آپ کی جوانی آپ کے ادھیڑ پن اور آپ کے بڑھاپے غرض عمر کی تمام حالتوں کی تصویر ہمارے سامنے ہے - ہم نے آپکو ایک یتیم بچے کے طور پر ایک عام شخص کے طور پر رعایا کے طور پر بادشاہ کے طور پر اور جرنیل کے طور پر دیکھا ہے - عسر کے زمانہ کی تصویر بھی ہمارے سامنے موجود ہے اور یسر کی حالت کی بھی - اس حالت کی بھی کہ آپ دشمنوں کے مظالم کے تختہ مشق تھے اور اس حالت کی بھی کہ آپؐ ان ہی دشمنوں کے خلاف ایک فاتح تھے - بزرگ رشتہ داروں کے مقابلہ میں بھی

ہم نے آپ کو دیکھا ہے اور بیوی بچوں کے ساتھ معاملہ کرتے بھی دیکھا ہے۔ غرض انسانی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں آپ کی تصویر اپنی پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود نہ ہو۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؂

طریق نجات و فلاح

مسیحی مذہب میں نجات کا طریق مسیح پر ایمان لے آنا ہے آدم و حوا کے گناہ سے نسل آدم میں گناہ آیا اس لئے اب ان کی نجات کے واسطے کسی ایسے منجی کی ضرورت پیش آئی جو ان کے گناہوں کا بار اپنے کندھوں پر اٹھالے۔ اس کے لئے خدا کا اکلوتا فرزند زمین پر آیا تا لوگوں کے گناہوں کی لعنت اپنے اوپر لیلے اور لوگوں کو اس بوجھ سے نجات دے تا اس طرح لوگوں کو نجات بھی حاصل ہوجاوے اور خدائی عدل میں بھی کوئی فرق نہ آوے۔ لہٰذا جو کوئی اس قربانی پر ایمان لاتا ہے وہ کفارہ کا حقدار ہوجاتا ہے یہ ہے جو مسیحی مذہب میں نجات کا طریق بتایا جاتا ہے لیکن ناظرین خیال فرمادیں کہ یہ طریق کتنا ناقابل فہم و ادراک ہے۔ گناہ زید کرے اور بوجھ بکر اٹھائے۔ درد عمر کے پیٹ میں ہو اور خالد کو دوا پلانے سے عمر کا درد جاتا رہے کیا اس سے بڑھکر خلاف عقل کوئی بات ہوسکتی ہے۔ یہ بات خدائی عقل پر بھی ایک دھبہ ہے۔ کیا دنیاوی معاملات اور اس دنیا کے کاروبار میں اس اصول کے ماتحت کارروائی کی جاسکتی ہے؟ کیا نیچر اس اصول کی تائید کرتی ہے؟

Digitized by Khilafat Library

اس کے مقابلہ میں اسلامی طریق نجات بالکل عقل کے مطابق اور طبعی ہے اسلام یہ کہتا ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ بے گناہ ہوتا ہے۔ اور فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے۔ جب وہ بڑا ہوتا ہے تو گرد و پیش کے حالات کے ماتحت اسکی طبیعت اثر پذیر ہوتی ہے اور وہ اگر بگڑتا ہے تو اپنی اصل فطرت کو

خراب کرکے بگڑتا ہے۔ وہ نجات حاصل کرسکتا ہے اگر وہ صحیح علم حاصل کرے اور صحیح اعمال کرے۔ اسلام میں مسیحیت کی طرح کوئی خاص قوم یا کوئی خاص فرد بوجہ اپنی نسل کے خدا کو پیاری نہیں۔ ہر ایک قوم میں رسول آئے اور ہر ایک قوم کے لئے خدائی انعامات کا دروازہ کھلا ہے۔ اسلام میں نجات انفرادی کوشش سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن اس بات کا قائل نہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اُٹھا سکتا ہے۔ بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ نجات اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان کوشش کے ساتھ گناہ سے بچے اور نیک اعمال میں لگا رہے اور اپنی کمزوریوں کو توبہ اور نیک اعمال سے ڈھانپتا رہے۔ اسلام کہتا ہے بدی کو نیکی سے زیر کرو۔ اور اسلام یہ کہتا ہے کہ نجات کا آغاز اسی دنیا میں ہوجاتا ہے۔ جب انسان گناہ ترک کرکے نیک اعمال شروع کرتا ہے اور بد جذبات کو نکال دیتا ہے اور اپنے نفس کو زیر کرکے نیکی اور صلاحیت اور رضائے خدا کی راہ پر مستقل طور پر قائم ہوجاتا ہے تو یہی نجات ہے۔ گویا بالفاظ دیگر نجات یہ ہے کہ انسان کا خدا سے تعلق قائم ہوجاوے اور خدا کی محبت اس کے قلب میں گھر پیدا کرلے۔ اور خدا کے راستہ میں کوئی چیز انسان کو متزلزل نہ کرسکے۔ یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے اور یہی اسلامی بہشت ہے۔ دوزخ صرف ایک عارضی شفاخانہ ہے جہاں انسان کے گندوں کو صاف کیا جاویگا۔ اور مسیحیت کی طرح اسلام ہم کو یہ نہیں کہتا کہ دوزخ ہمیشہ کے لئے سزا اور دُکھ ہے۔ ناظرین خود فیصلہ کریں کہ ہر دو طریقوں میں سے کون طریق عقل اور فطرت انسانی کے مطابق ہے؟ کون سا طریق ایک طرف خدائی کمال اور دوسری طرف انسانی فطرت کے شایان ہے؟۔

بُنیاد

اسلام اور مسیحیت کے مقابلہ میں سب سے زیادہ نمایاں فرق ان ہر دو مذاہب

کی بنیاد میں ہے۔ مسیحیت کی بنیاد 'ایمان' پر ہے مگر اسلام کی بنیاد 'علم و بصیرت' یا 'تجربہ و مشاہدہ' پر ہے۔ مسیح خدا کا اکلوتا فرزند تھا ایسا کہ نہ کبھی اس سے پہلے اس جنس کا خدا کا کوئی بیٹا ہوا اور نہ کبھی بعد میں ہوگا۔ گویا یہ معاملہ انسانی تجربہ اور مشاہدہ سے بالکل بالا ہے اور اسی لئے انسانی عقل سے بھی بالا ہے۔ پھر یہ خدا کا فرزند ایک ملعون موت مرا کیوں کہ بقول مسیحی عقیدہ کے اس نے لوگوں کے گناہوں کی لعنت کو اپنے اوپر لیا اور پھر تین دن کے بعد قبر سے اُٹھکر آسمان پر چلا گیا اور خدا کے دہنے ہاتھ جا گزین ہوا۔ کیا ایسے واقعات کبھی اس سے قبل یا بعد انسانی تجربہ اور مشاہدہ میں آئے۔ کیا عقل انسانی ان کے سمجھنے کے قابل ہے۔ کیا کفارہ کا عقیدہ یعنی یہ عقیدہ کہ زید گناہ کرے اور بکر پر اس کا بوجھ لادا جا سکے عقل انسانی قبول کر سکتی ہے کیا کبھی یہ بات انسانی مشاہدہ میں آئی؟ اور یہ عقائد مسیحی مذہب کے بنیادی پتھر ہیں۔ اس جگہ ایمان کا سوال ہی کیسا ہے جہاں سمجھ کا دخل نہیں۔ دراصل مسیحیت نے 'ایمان' کو عقل و فہم سے بالکل الگ کر دیا ہے۔ اسی لئے ایک مسیحی شاعر کہتا ہے:۔ "ہمارے اندر صرف ایمان ہی ہے اور ہم کو علم و بصیرت حاصل نہیں ہو سکتے کیونکہ علم تو ان چیزوں سے متعلق ہوتا ہے جنکو ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔" مگر اسلام کہتا ہے ہم علم و بصیرت حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ درحقیقت علم و عرفان ہی نجات و فلاح کی کلید ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يتذكر اولوا الالباب "کیا علم رکھنے والے اور نہ رکھنے والے برابر ہیں۔ سوائے اسکے نہیں کہ علم رکھنے والے ہی ہدایت پاتے ہیں۔" ایمان درحقیقت علم و بصیرت کی منزل کا پہلا قدم ہے۔ پہلے انسان فرض کے طور پر ایک چیز پر ایمان لاتا ہے اور پھر آگے ترقی کرکے اس ایمان کو علم کی صورت میں تبدیل کرتا ہے جو چیز دوسروں کے

لئے "علم" ہے وہ میرے واسطے محض ایمان ہے جبتک میں اسے اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے علم کی صورت میں نہ تبدیل کر لوں۔ مَیں سُنتا ہوں کہ آگ کھانا پکاتی ہے۔ دوسروں کے واسطے یہ ایک علم ہو گا لیکن جبتک مَیں نے اس کا خود مشاہدہ اور تجربہ نہیں کیا میرے لئے یہ ایک محض ایمان ہوگا۔ لیکن اگر مَیں اس ایمان سے آگے چلوں اور آگ کو استعمال کر کے کھانا پکا لوں تو میرے لئے یہ ایمان علم و بصیرت کی صورت میں بدل جائیگا ؏

اسلام نجات کی بنیا چند عقائد اور ان کے نتیجہ میں چند اعمال پر رکھتا ہے۔ مگر یہ عقائد مسیحی عقائد کی طرح نہیں جو کبھی سمجھ میں آئے اور نہ مشاہدہ اور تجربہ میں۔ اسلامی عقائد ماضی اور حال کے لوگوں کے تجارب پر مبنی ہیں اور ہر وقت ہر شخص کے تجربہ میں آسکتے ہیں مثلاً اسلام ایمان بالرسل کا ایک اصول منواتا ہے یا بالفاظ دیگر ہم سے یہ منواتا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے ہم کلام ہوا کرتا ہے۔ اب دیکھو "الہام" مسیحی عقیدہ "ابنیت مسیح" کی طرح کوئی نہ سمجھ آنے والا نادر واقعہ نہیں۔ "الہام" گذشتہ زمانہ میں لوگوں کو ہوا اب ہوتا ہے اور ہم کو بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایمان بالرسل کا عقیدہ ابنیت مسیح کے عقیدہ کی طرح نہیں۔ غرض اسلام میں ایمان علم و بصیرت کا پہلا اور طبعی قدم ہے مگر مسیحی مذہب میں ایمان علم کے مقابلہ پر ہے۔ گویا اسلام کی بنیاد "ایمان اور علم و بصیرت" پر ہے اور مسیحیت کی محض "ایمان" پر ؏

نجات کے متعلق یقین

اب مَیں اپنے آخری سوال پر آتا ہوں کہ اسلام اور مسیحیت نجات کے متعلق ہم کو کیا اور کس طرح یقین دلاتے ہیں اور اس کے ثبوت میں کیا دلائل پیش

کرتے ہیں۔ اس میدان میں بھی اسلام اور مسیحیت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مسیحیت بقول لارڈ ٹینی سن کے "ایمان کے لولے ہاتھ پھیلاتی ہے اور محض 'امید' پر اس کی بنیاد ہے"۔ مسیحیت نجات کے متعلق کوئی یقین نہیں دلا سکتی سوائے اس کے کہ آنکھیں بند کیئے مانتے جاؤ اور امید رکھو کہ تم کو آخر کار نجات ہوگی۔ مگر محض 'امید' تو ایک بُت پرست بھی پیش کر سکتا ہے اور۔ باقی رہی یہ بات کہ نجات کی یہ علامت ہے کہ اخلاق اور چال چلن میں ایک خاص اصلاح اور رنگ پیدا ہو جاتا ہے تو مَیں مسیحیوں سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسا ناجی مسیحی دکھاؤ کہ جو اخلاق و چال چلن کے میدان میں ایسا ہو کہ کوئی بُت پرست اس کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو۔ غرض مسیحیت میں نجات کی کوئی ظاہری علامت موجود نہیں اور وہ نجات کے متعلق کوئی یقینی ضمانت پیش نہیں کرتی۔ مگر اسلام نجات و فلاح کی یقینی اور قطعی علامات پیش کرتا ہے اور وہ یہ کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ خدا خود عملاً اس دنیا میں نجات یافتہ بندے کو بتا دیتا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے۔ اور یہ بات وحی و الہام سے ہوتی ہے یعنی خدا اپنے بندے سے کلام کرتا ہے اور اس کی دعاؤں کو سُنتا ہے اور ان کا جواب دیتا ہے۔ یہ وہ یقینی علامت ہے جو کوئی مذہب سوائے اسلام کے پیش نہیں کرتا۔ اور یہ وہ علامت ہے جس کے یقینی اور قطعی ہونے میں کوئی شُبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جو وحی و الہام اسلام بطور معیار پیش کرتا ہے وہ یونہی خیالی اور وہمی باتیں ہیں یا نفس کے دھوکے یا دماغ کی کسی خاص قسم کی حالت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا کے کلام میں خدائی علامات ہوتی ہیں یعنی خدائی قدرت اور خدائی علم کا اظہار ہوتا ہے جس سے یہ بات یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ الہام کسی دماغی حالت کا

نتیجہ نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ مثلاً اگر الہام میں آیندہ ہونے والے واقعات کا اظہار ہے اور ایسی باتوں کا بیان ہے جو اب موجودہ زمانہ اور موجودہ حالات میں بالکل خلاف قیاس ہیں لیکن بعد میں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں تو پھر اس بات میں ذرہ بھر بھی شک نہیں رہ سکتا کہ اس الہام کا منبع خدا کی ذات تھی۔

اور پھر دوسری طرف جس کے قلب پر ایسے الہام کا نزول ہوتا ہے وہ یقین اور خدا کی محبت اور اخلاق اور روحانیت اور اطمینان قلب میں ترقی کرتا جاتا ہے تو پھر یہ سب حالت یقیناً ثابت کرتی ہے کہ وہ الہام کسی دماغی حالت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ خدا کی طرف سے تھا۔ خلاصہ کلام یہ

مسیحیت	اسلام
منتہیٰ	
ناقص	کامل
غیر واضح	واضح
غیر طبعی	طبعی
نمونہ	
غیر انسانی	انسانی
غیر کامل	کامل
غیر واضح	واضح
طریق نجات	
اخلاق گرانیوالا	اخلاق کو ترقی دینے والا
خلاف عقل	مطابق عقل
غیر طبعی	طبعی

بُنیاد

محض ایمان	ایمان اور علم و بصیرت
نہ مشاہدہ اور تجربہ میں آتی نہ آسکتی ہے	مشاہدہ اور تجربہ میں آئی اور ہر وقت آسکتی ہے

نجات کے متعلق یقین

کچھ نہیں محض آیندہ کی امید	یقینی اور قطعی اسی دنیا میں

یورپ تباہ ہو رہا ہے

کون اسے بچا سکتا ہے؟

(انگریزی سے ترجمہ کیا گیا)

اذا زلزلت الارض زلزالها واخرجت الارض اثقالها
وقال الانسان مالها يومئذ تحدث اخبارها بان
ربك اوحى لها يومئذ يصدر الناس اشتاتا ليروا اعمالهم
فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ۝ ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره ۝

”جس دن زمین خطرناک طور پر زلزلہ میں آئیگی اور اپنے بوجھ باہر نکال پھینکیگی- اور لوگ کہینگے اسے کیا ہو گیا ہے- اس دن وہ اپنی خبریں بیان کریگی گویا تیرے رب نے اسے وحی کی ہے- اس دن لوگ متفرق گروہوں میں نکلینگے تاکہ وہ اپنے کام دیکھیں پس جس نے ایک ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ایک ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھیگا“

قرآن شریف کی چند آیات ہیں جن میں موجودہ زمانہ کی حالت کا نقشہ

نظر آرہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کو کئی مدبّرین اور اہل الرائے لوگوں نے ایک خطرناک زلزلہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس زلزلے کے دھکے ابھی تک دنیا کو ہلا رہے ہیں اور گو اب وہ خاص ایّام جنگ کی نسبت زیادہ محسوس نہ ہوں لیکن امر واقع یہ ہے کہ اب ان کا اثر اس وقت سے بھی زیادہ پھیل گیا ہے اور گہرا ہو گیا ہے۔ تمام دنیا خطرناک طور پر ہل رہی ہے اور لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں۔ ہر جگہ لوگوں میں اس کے متعلق فکر و پریشانی کے خیالات کا اظہار ہو رہا ہے اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھئے آیندہ کیا ہونیوالا ہے۔ ہم ذیل میں چند مشہور اور مانے ہوئے اہل الرائے اشخاص کی رائے درج کرتے ہیں جو انہوں نے دنیا کی آیندہ آنے والی حالت کے متعلق قائم کی ہے۔ مسٹر اینٹول فراس جو فرانس کے ایک مشہور مدبّر ہیں ایک نامہ نگار اخبار کے سامنے بیان کرتے ہیں :۔ ”گذشتہ جنگ میں جو فتح اتحادیوں کو نصیب ہوئی ہے وہ اپنے نتائج کے لحاظ سے ایسی ہی خطرناک اور تباہ کن ہے جیسی وہ شکست جو جرمن کو ہوئی ہے۔ بعض علاقجات میں تو جنگ کی چنگاریاں ابھی تک سلگ رہی ہیں۔ بعض جگہوں میں پہلی آگ تو بجھ گئی ہے لیکن نئی آگیں بھڑک اُٹھی ہیں۔ کئی حالتوں میں تو جنگ کے خطرناک ترین ایّام سے بھی آجکل لوگوں کے مصائب اور تکالیف زیادہ ہیں۔ تمام اقوام بڑھتے ہوئے مالی بوجھ کے نیچے دب گئی ہیں اور بعض تو اس بوجھ کے نیچے ٹوٹا چاہتی ہیں۔ اب یہ سوال نہیں کہ ترکی ”یورپ کا بیمار آدمی ہے“ بلکہ خود یورپ ”دنیا کا بیمار آدمی“ بنا ہوا ہے۔ اختتام جنگ اور صلح سے ہرگز کوئی امن قائم نہیں ہوا“

پریذیڈنٹ ولسن کے یورپ آنے کے نتیجہ میں اور بھی حالت خراب ہو گئی ہے۔ وہ یہاں ایک حامل بشارت پادری کی طرح یقین اور امید سے

بھرا ہوا آیا تھا۔ اس کا دل سے یہ ایمان تھا کہ وہ بشارت اور خوشخبری اپنے ساتھ لاتا ہے بلکہ میرا یقین ہے کہ اس کا ایمان تھا کہ وہ خدا کے نام پر کام کر رہا ہے۔ اس کا خلوص نہ صرف یہ کہ اشتباہ سے بالا تھا بلکہ اس نے یورپ کے جنگ سے تنگ آئے ہوئے لوگوں کو بھی گرما دیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا اور اسکے ساتھ یورپ کے لوگ بھی یہی خیال کرتے تھے کہ اس امید اور یقین کے سورج کے ساتھ وہ ظلمات کی افواج کو بھگا دینگے۔ امریکہ کے آدمیوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ پریذیڈنٹ ولسن کی آمد نے یورپ کے عامۃ الناس کی امیدوں کو کیا کیا۔ اسے سمجھنے کے لئے صرف اس بات کو جاننا کافی ہے کہ اس کا اثر خود پریذیڈنٹ پر کیا ہوا۔ سو جب وہ یورپ میں آیا تھا تو اسوقت تمام دنیا کی نظر اس کی طرف اٹھتی تھی۔ مگر اب وہ اپنی صحت کو ضائع کئے ہوئے نہ صرف یورپ کی نظر میں بلکہ اپنے ملک کی نظر میں بھی گر چکا ہے۔"

نامہ نگار کہتا ہے میں نے مسٹر اینٹول سے دریافت کیا "ایسی حالت میں آپ یورپ کی اس حالت کا کیا علاج سمجھتے ہیں؟"

مسٹر اینٹول نے جواب دیا "اس کا علاج ایسا فعل و عمل ہے جس کی بنیاد ایک نئی سپرٹ پر ہو جو یورپ بلکہ تمام دنیا کی ضروریات اور اس کے مشترکہ مفاد پر مبنی ہو۔ جو ہر ایک قوم اپنے اپنے واسطے اپنی عمارت قائم رکھنے اور بنانے کے واسطے کرتی تھی اب وہی ساری اقوام کو مشترکہ طور پر کرنا چاہیئے تا وہ اپنے مشترکہ دشمن یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے بچ سکیں۔ جنگ کے دنوں میں ہر قوم کے افراد آپس میں مل گئے اور قوم کے سب ریسورسز ملا دیئے گئے اور طاقت اکٹھی کر دی گئی اور گویا ایک گونہ اقوام کے افراد اپنی اپنی قوم کے حلقہ کے اندر ایک خاندان کے حکم میں آگئے تھے۔ یہ طریق اگر بین الاقوام طور پر سب اقوام باہم ملکر کریں تو بھی ایک صورت ہے جو میرے خیال میں یورپ کو

بچا سکتی ہے .... لیکن وہ عنصر جس نے اقوام میں مشترکہ عمل کو ممکن کر دیا تھا اب وہی اپنی گندی صورت میں اس بین الاقوام اشتراک کی راہ میں روک ہو رہا ہے۔ حب الوطنی کے ایام جنگ میں یہ معنی ہیں کہ اگر اپنی قوم سے محبت کرو تو دوسری سے اسی درجہ نفرت۔ اس معنی میں فرانس کی حب الوطنی صلح کے بعد سے بہت بڑھ گئی ہے وہ اب صرف جرمنی سے ہی نفرت نہیں رکھتا بلکہ رُوس سے بھی۔ بلکہ خود فرانس کے اندر فرانسیسیوں میں سوسائٹی کے طبقات کی ایک دوسرے کے ساتھ باہم نفرت بڑھ رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجائے اس سپرٹ کے قریب ہونے کے جس سے یورپ بچ سکتا ہے ہم اس سے روز بروز دُور جا رہے ہیں۔ ہاں اس تمزق سے ایک قوم بچتی نظر آتی ہے اور وہ رُوس ہے۔ رُوس میں ایک نئی بات پیدا ہو رہی ہے ...."

نامہ نگار "آپ کے خیال میں رُوس میں کیا پیدا ہو رہا ہے؟" مسٹر اینٹول "سوشلزم ...... اور یہی یورپ کی نجات کا اکیلا طریق ہے"

نامہ نگار "آپ امریکہ اور جاپان کو تو اس تباہی سے مستثنیٰ سمجھتے ہونگے؟"

مسٹر اینٹول فراس "ہاں۔ یہی دو قومیں ہیں جنکی مالی طاقت جنگ سے اور بھی ترقی کر گئی ہے۔ اگر وہ مل جائیں تو ایک بڑی عظیم الشان طاقت بنجاوے۔ لیکن دونو میں تجارتی رقابت چل رہی ہے وہ ان کو ملنے نہیں دیگی۔ وہ تو امیر ہوگئی ہیں اور یورپ کا دیوالہ نکل رہا ہے"

پھر مسٹر ڈین انج ڈیلی ٹیلی گراف میں لکھتے ہیں:۔ "جنرل سمٹس نے لیگ آف نیشنز پر اپنی تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ انسانیت نے اپنے خیمے اُکھیڑ لئے ہیں اور پھر کوچ کر رہی ہے۔ مگر بات یہ ہے انسانیت ہمیشہ ہی کوچ پر رہتی ہے اور حضرت ابراہیم کی طرح (جنرل سمٹس کی فوجوں کی طرح نہیں) انسانیت کوچ کرتی ہے مگر نہیں جانتی کہ کدھر جا رہی ہے۔ اور عام طور پر یہ ایک ایسا چکر

کاٹتی ہے جسے منطقی اصطلاح میں دَوْر کہتے ہیں۔ یہ بات ایک عادۃً مطمئن اور خوش رہنے والی طبیعت کو تو شائد تکلیف دہ معلوم ہوگی لیکن ان لوگوں کی نظر میں نہیں جو ساٹھ کی بنیادیں اپنی آنکھوں کے سامنے شکستہ ہوتی دیکھ رہے ہیں اور خیال کر رہے ہیں کہ کیا کوئی کارآمد چیز تباہی کے ہاتھ سے محفوظ بھی رہتی ہے۔ ایک عقلمند آدمی نے عرصہ ہوا کہا تھا "اشیاء بُرے انتظام کے نیچے لمبے عرصہ تک نہیں رہ سکتیں"۔ تمام اقوام اپنے اندر اپنی تباہی اور تنزل کا بیج رکھتی ہیں مگر تمام انقلابات اپنے ہی نسلوں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ صرف دو چیزیں تغیر سے بچی رہتی ہیں یعنی انسانی فطرت اور دوسرے غیر انسانی فطرت۔ یعنی قوانین نیچر۔ جب ان دونو فطرتوں میں سے کبھی میں تغیر آجائیگا تو پھر ہم کو وہ نئی دنیا ملے گی جس کے متعلق اب تک ہم صرف منہ سے باتیں ہی کرتے ہیں اس سے پہلے نہیں مل سکتی ؂

گذشتہ جنگ ان لوگوں کی طرف سے کی گئی تھی جو اس وقت کے حالات کے ماتحت وسطی یورپ کے گویا محافظ و مالک تھے۔ انہوں نے یہ جنگ اس لئے کیا تھا کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت کا موجودہ نظام تمدنی انقلابات کے ہاتھوں تباہی کے خطرہ میں ہے۔ یہ ایک قمار بازکی سی چال تھی اور نتیجہ ان کے لئے بلکہ شائد ہمارے واسطے بھی بہت خراب نکلا۔ کیونکہ مقابلہ کی طاقتیں ایسی برابر زوردار تھیں کہ جنگ جاری رہی حتّٰی کہ وہ نظام جسے بچانے کے لئے جنگ کیا گیا تھا بالکل شکستہ و برباد ہو گیا۔ مختصر یہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں جس کسی کے پاس جو کوئی چیز تباہ ہونے والی اور کھوئی جانے کے قابل تھی وہ یا تو کھوئی جا چکی ہے یا کھوئی جا رہی ہے ...... لیبر کلاس مع چند بڑھ چڑھ کر منافع لگانے والے تجار کے جنگ سے بچے ہوئے مال پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں ...... ہم کو ایک لمبے خطرناک مصیبت کے عرصہ کے

لئے تیار رہنا چاہیئے جس سے ہم زیادہ مغموم مگر زیادہ عقلمند ہو کر نکلینگے۔ اُس وقت نئے نظام پر اصلاح کا کام شروع ہوگا۔ اب جس چیز کو گورنمنٹیں نیا نظام اور اصلاح کہکر پکار رہی ہیں وہ کوئی اصلاح نہیں بلکہ جنگ کے ہاتھوں سے جو تباہی نامکمل رہی تھی اسے پورا کرنا ہے۔۔ ...... یہ تو مالی حالت ہوئی جو اور حالتوں سے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر رہی ہے۔ اب ہماری نسل کے ہوتے ہوئے تو کوئی بڑی جنگ ہوتی نہیں کیونکہ کوئی گورنمنٹ جنگ کے واسطے روپیہ قرض نہیں لے سکتی اور کوئی فوج جنگ کے لئے رضامند نہیں ہو سکتی۔ روسی ایک بہت گندی استثناء ہیں۔ انہوں نے ہر ایک چیز کھو دی ہے اور اب وحشی بھیڑیوں کے گلہ کی صورت اختیار کر لی ہے

مَیں لیگ آف نیشنز کے مستقبل کے متعلق کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہاں میں اس کی کامیابی دل سے چاہتا ہوں۔ درحقیقت ہر شخص اس وقت امن چاہ رہا ہے .... اگر ہم لیگ آف نیشنز کے موٴیدین پر نظر ڈالیں تو ہم کو ان میں بہت سے بہترین حالت کے خواہاں نظر آئینگے لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سے ایسے بھی نظر آئینگے جو امن کے خواہاں نہیں اور نہ ہی نیک ارادے رکھتے ہیں اور جن کی صرف یہ کوشش ہے کہ خانہ جنگیوں کے لئے میدان صاف کریں ۔

یہ باتیں تکلیف دہ ہیں مگر سچی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ حالت ایسی ہے کہ ایک پادری ان تکالیف کے احساس کو یہ کہکر کم نہیں کرا سکتا کہ اس حالت کا باعث اخلاقی ہے اور یہ کہ اب بھی اگر لوگ انجیلی تعلیم پر کاربند ہوں تو حالت اصلاح پذیر ہو سکتی ہے۔ اسے سامنے سے یہ کہا جائیگا

کہ عملی زندگی میں ہم کو انسانی فطرت کا کما حقہ خیال رکھنا پڑتا ہے اور انسانی فطرت وہ چیز ہے جو بدقسمتی سے مسیحیت کے نقطہ خیال سے تاحال اصلاح پذیر نہیں ہوئی۔ بعض یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس مصیبت کے وقت مذہب کی طرف نظر اُٹھانی بے سود ہے اور انگلستان کا چرچ تو خصوصاً اس موقع پر کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے جواب میں مَیں صرف یہ کہتا ہوں کہ وہ روحانی طاقتیں جو سوسائٹی میں انقلاب پیدا کر سکتی ہیں اب تک ہمارے اندر زندہ موجود ہیں اور گو وہ اس وقت بالکل ناقابل معلوم ہوتی ہیں اور ان میں کوئی طاقت نظر نہیں آتی لیکن جب تمام دوسرے سہارے یقیناً گر جاویں تو یہ سہارا اسوقت اپنی ہستی کو ضرور محسوس کرا سکتا ہے۔ اور وہ وقت جب کہ لوگ یہ محسوس کرنے لگ جاوینگے میری رائے میں اس ملک میں بہت جلد آرہا ہے"

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ فرانسیسی اور انگریزی ہر دو مدبرین کے نزدیک حالت سخت ناگفتہ بہ ہے اور یہ کہ پرانا نظام شکستہ ہو کر جلد جلد گر رہا ہے۔ اور اس تغیر کے مصائب لوگوں کو تکلیف دیتے رہینگے جب تک کہ کوئی "نیا نظام" نہ قائم ہو جاوے۔ مسٹر فرانس کا خیال ہے کہ نجات "سوشلزم" کی کامیابی میں ہے اور چرچ والوں کی یہ رائے ہے کہ اس مصیبت کا علاج یہ ہے کہ لوگ حقیقی مسیحیت کی طرف رُخ کریں جس کا تخم ان کی رائے میں لوگوں کے اندر کافی موجود ہے۔ گویا دونو اس بات میں متفق ہیں کہ کسی نئے نظام کے قائم ہونے کے بغیر اب یورپ بچتا نظر نہیں آتا اور دونو کے نزدیک وہ نظام اخلاقی اصلاح کے ذریعہ قائم ہو سکتا ہے اختلاف ہے تو صرف یہ ہے

کہ کس رنگ کی اخلاقی اصلاح ہونی چاہیئے آیا پُرانی مسیحیت کے دائرہ میں یا کوئی اور۔ اب تاریخ عالم پر نظر ڈالو تو ایسے اخلاقی انقلابات ہمیشہ خدا کی طرف سے کسی روحانی مصلح کے ذریعہ آتے ہیں ورنہ وہ کارگر نہیں ہوتے اور حباب کی طرح اُٹھکر رہ جاتے ہیں یا غلط راستے پر ڈالکر اور مصائب کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ ایک زندہ جاذب اور پُر جلال ہستی کی ضرورت ہے جو خدا سے قوت پاکر ایک نیا نظام قائم کرے۔ فطرتیں اس نئے نظام کے لئے تیار ہیں اور خود بول رہی ہیں اور درحقیقت اب دنیا کی وہ حالت ہو رہی ہے کہ اگر کوئی نیا نظام قائم نہ ہوا تو پھر دنیا کا خاتمہ ہے۔۔۔۔ ہم یورپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ "نیا نظام" قائم کرنے والا خدا کی طرف سے اس دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے جو مسیحؑ کے نقش پر آیا ہے تا صرف بنی اسرائیل کی نہیں بلکہ تمام دنیا کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو پھر جمع کرے اور دنیا کو اسکے مصائب سے نجات دیکر فلاح و کامیابی کے شاہراہ پر گامزن کرادے۔ مبارک وہ جو اسے پہچانتا ہے ؂

تبلیغی اخبار احمدیہ

ہندوستان

قادیان قادیان میں بفضلہ تعالیٰ سب طرح خیریت ہے حضرت خلیفۃ المسیح بخیریت ہیں اور سلسلہ کے کاموں میں دن رات مصروف۔ محکمہ ہائے نظارت و صدر انجمن خوش اسلوبی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے ناظر تالیف و اشاعت بیماری کی وجہ سے آجکل رخصت پر ہیں اور انکی جگہ مولوی شیر علی صاحب صیغہ کے انچارج ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے نومبر سنہ ۱۹۲۰ء سے مولوی علی محمد صاحب بی۔ اے بی ٹی کو نائب ناظر تالیف و اشاعت کے عہدہ پر مقرر فرمایا ہے۔ جماعت مبلّغین حافظ روشن علی صاحب

کی زیر نگرانی جلدی جلدی ترقی کر رہی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ یہ جوانان جلد ہی تبلیغی میدان میں بفضلہ مفید کام کرسکنے کے قابل ہو جائینگے ۞

بیرونجات

ہمارے مبلغ گذشتہ ماہ میں ہندوستان کے مختلف علاقہ جات و اضلاع میں دورہ پر رہے ہیں۔ شرقی بنگال کے احمدیوں کی استدعا پر مولوی ابراہیم صاحب بقاپوری کو بنگال میں بھیجا گیا اور مولوی صاحب موصوف نے وہاں مختلف مقامات میں ۵۳ کے قریب لیکچر دیئے۔ ان لیکچروں کا اثر عموماً بہت اچھا بتایا جاتا ہے کلکتہ والوں کی درخواست پر اب مولوی صاحب کلکتہ میں قریب ایک ماہ کے قیام کرینگے۔ مولوی ظل الرحمن صاحب ترجمانی کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اور اس لمبے سفر میں جناب مولویصاحب کے دست و بازو بنے رہے ہیں سندھ والوں کی طرف سے ہمیشہ مبلغ کی مانگ رہتی تھی اسلئے ان کی جائز خواہشات کا لحاظ کرکے حضرت اقدس نے اب حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی کو وہاں بھجوایا ہے ۞ مالابار کی احمدی جماعت آجکل تکلیف میں ہے کیونکہ غیر احمدیوں کی طرف سے ان کے ساتھ نہایت تکلیف دہ سلوک کیا جارہا ہے۔ چند ہی روز میں ہمارے تین چار مبلغ وہاں جانے والے ہیں ۞

سیلون

سیلون میں بھی مخالفت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ جس مکان میں وہاں کی انجمن احمدیہ کا ڈیرا تھا اس مکان کے مالک نے اب انکو نوٹس دیدیا ہے کہ مکان خالی کر دیا جاوے۔ چنانچہ مکان خالی کر دیا گیا لیکن یہ خوشی کی بات ہے کہ وہاں کی غریب جماعت نے نیا مکان وسط کولمبو میں خرید لیا ہے اور سیکرٹری صاحب ہمیں اطلاع دیتے ہیں کہ اگر اسکے پاس والا مکان بھی ہاتھ آگیا جو تین ہزار کو بکتا ہے تو انشاء اللہ جماعت کی ضروریات کے لئے کافی گنجائش نکل آئیگی اور اسی جگہ اپنا پریس بھی قائم کیا جاسکیگا۔ کل اخراجات کا اندازہ قریباً دس ہزار روپیہ ہے سیلون کے چار طالب علم یہاں تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہیں۔ حضرت مولوی شیر علیصاحب بی۔ اے اپنے خاص وقت میں سے ایک حصہ نکالکر انکو عربی پڑھاتے ہیں۔ اور مولوی علی محمد صاحب اردو پڑھاتے ہیں۔ چند ہی روز میں حضرت مسیح موعودؑ کی اردو تصانیف شروع کرنیوالے ہیں ۞

ماریشس

ماریشس سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ مقدمہ مسجد جو ایک عرصہ سے چل رہا ہے اب فیصلہ

کے قریب پہنچا ہے۔ احباب سے درخواست ہے کہ اس کے متعلق خاص طور پر دُعا فرماویں۔ ماریشس کی جماعت نے ارادہ کیا ہے کہ ٹیچنگز آف اسلام کا از سرِ نو فرانسیسی میں ترجمہ کیا جاوے۔ اور اس کے ساتھ ایک مقدمہ بھی لگایا جاوے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات اور دعاوی کے متعلق بیان ہو۔ احباب ماریشس نے سینما ہال میں لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور اس میں عیسائیوں کے پادریوں اور مسلمانوں کے مولویوں کو اعتراض کرنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی وہاں نہ گئے۔ ہاں چند ایک ہندو دوست عام پبلک کے علاوہ پہنچے۔ اور لیکچروں کو شوق سے سنتے رہے ؏

بمقام تریول خدا کے فضل سے ہماری ایک نئی جماعت قائم ہو گئی ہے۔ اور ایک نئے دوست سلسلے میں شامل ہوئے ہیں جن کا نام "رسول" ہے۔ غیر احمدیوں نے ان کو سرداری کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا ہے مگر وہ راسخ الاعتقادی سے قائم ہیں ؏

نائیجیریا

مولوی مبارک علی صاحب بی اے۔ بی۔ ٹی عنقریب اس ملک میں پہنچنے والے ہیں۔ اور امید ہے کہ وہاں کے لوگوں کی دیرینہ خواہش کو پورا کرنے میں کامیاب ہوں گے ؏

انگلستان

انگلستان کی تازہ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر عبد الرحیم صاحب نیر تبدیلی آب و ہوا کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ چودھری فتح محمد صاحب جماعت کی اندرونی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔ کیونکہ نو مسلموں کا اسلام پر پختہ کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ نئے مسلمان بنانا۔ اس لئے نماز اور عربی قاعدہ کی طرف بہت توجہ ہو رہی ہے۔ جناب چودھری صاحب نے مسجد کے اور خاکے بھی روانہ کئے ہیں۔ حضرت اقدس کی پسندیدگی کے بعد مسجد کا اصل کام شروع ہو گا ؏

امریکہ

جناب مفتی محمد صادق صاحب نیویارک سے شکاگو چلے گئے ہیں۔ بڑی تلاش کے بعد ایک مکان ملا ہے جو وہ بھی حسب ضرورت نہیں۔ نیویارک میں مسٹر جیمز صادق۔ فاطمہ مصطفےٰ اور صدیقۃ النساء ہر سہ مخلص اور تعلیم یافتہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں ؏

شکاگو میں ایک شخص نے نبی اللہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ عربی بھی جانتا ہے۔ کیونکہ اصل باشندہ عراق کا ہے۔ لیکن ایک مدت سے یہاں رہتا ہے۔ کسی انگریزی کی دوکان میں ملازم ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تک بھی مانتا ہے۔ مگر اب اپنی نبوت کا دعویدار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ در اصل میں گورے لوگوں کی طرف نبی ہوں۔ عراق۔ عرب۔ شام۔ یورپ۔ امریکہ سب گوروں کا ملک ہیں۔ افریقی۔ ہندی اور چینی کالے لوگ ہیں اور گوروں کے ماتحت رہیں گے۔ لباس کوٹ پتلون اور ٹوپی ہے۔ الہامی نام بالا ابن آلا ہے۔ کہتا ہے کہ پانچ ہزار سال ہوئے آلا نام ایک نبی گذرا ہے۔ میں اس کا الہامی پسر ہوں ؏

جناب مفتی صاحب کا ارادہ ہے کہ امریکہ سے ایک ماہواری رسالہ شائع کیا جاوے جس کا خرچ سوڈالر ماہوار کے قریب ہو گا۔ (ڈالر کی قیمت آجکل ساڑھے تین روپے ہے) کئی احباب نے امداد دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ اس تجویز کو منظور فرمائینگے تو اجرا ہو سکیگا ؏

متفرق

مولوی چراغ الدین صاحب سیالکوٹی کو جاپان جانے کے لئے پاسپورٹ مل گیا ہے۔ مولوی فضل الرحمن صاحب کو چین جانے کے لئے اور مولوی ممتاز علی خاں صاحب پسر خانصاحب ذو الفقار علی خاں صاحب اور چودھری ابو العاصم صاحب کو یونان کے لئے پاسپورٹ مل چکے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ چاروں اصحاب وہ مبلغ ہیں جنہوں نے تین تین سال کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں اور تبلیغ بھی اپنے ہی خرچ پر کرینگے نظارت پر بوجھ نہیں ہو گا ؏

Digitized by Khilafat Library

فصلی بخار و طحال کی دوا فصلی بخار اور طحال کیلئے یہ ایک ہی دوا ہے

آجکل سیکڑوں اشتہار فصلی بخار و طحال کے دوا کا آپ دیکھتے ہونگے انمیں عموماً کو نین رہتی ہے اسلیئے یہ دوائیں بخار کو کچھ وقت تک روک تو دیتی ہیں لیکن جڑ سے آرام نہیں کرسکتی ہیں ایسے بخار کے لئے ڈاکٹر ایس کے برمن کی فصلی بخار کی دوا چند روز میں ایک دم آرام کرنے کا خاص دعویٰ رکھتی ہے اور عوام کے فائدہ کو مدِ نظر رکھکر قیمت بھی بہت ہی کم رکھی گئی ہے اسمیں تین خاص صفتیں ہیں (۱) یہ ملیریا کے کیڑوں کو ماردیتی ہے اسلیئے چار پانچ ہی خوراک کے استعمال سے بخار کا آنا بند ہوجاتا ہے (۲) یہ خون کو گاڑھا کرتی ہے اور اسکی خرابیوں کو مٹاتی ہے (۳) یہ طحال کو گلاتی ہے۔ قیمت فی شیشی کلاں ۱۴؍ شیشی خورد ۸؍ محصول کلاں ۸؍ اور خورد ۷؍

امراض مستورات کی دوا

عورتوں کی بیماری میں نہایت مفید مارکین ملک کی مشہور دوائیں دائی برنم اور ویدک کی قدیم زمانہ کی مشہور دوائیں اسوک وغیرہ کئی ایک دوائیوں کو ملاکر یہ دوا تیار کی گئی ہے اور اس کی آزمائش بھی واقعی طور سے ہوتی آئی ہے۔ یہ ہر اقسام کے امراض مستورات کی دوا ہے کمر اور رحم (بچہ دان) کو طاقت دیتی ہے۔ اور صاف رکھتی ہے۔ اس لئے رحم کی کل بیماریوں میں فائدہ کرتی ہے اس سے حیض کی خرابی یعنی کم زیادہ دنوں میں حیض ہونا۔ کمر۔ پیڑو۔ جانگھوں اور سر میں درد ہونا جی متلانا وغیرہ دور ہوتا ہے۔

قیمت ایک روپیہ چار آنہ عہ
محصولڈاک آٹھ آنہ ۸؍

ڈاکٹر ایس کے برمن پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ محمد نصیب صاحب پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن احمدیہ کیلئے شائع ہوا)